JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 39, Issue No.02

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Khawar Nawazish
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 300 9561745

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
khawarnawazish@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

TITLE OF THE PAPER

جدید اُردو غزل میں ناصر کاظمی کی انفرادیت

AUTHOR(S)

*Tanveer ul Islam
PhD Scholar, Dept. of Urdu, International Islamic University, Islamabad

**Sajid Iqbal
PhD Scholar, Dept. of Urdu, International Islamic University, Islamabad

***Waqar Ahmad
PhD Scholar, Dept. of Urdu, International Islamic University, Islamabad

CONTACT(s)
tanveerulislam83@gmail.com / sajidiqbal019@gmail.com
waqar.gcu786@gmail.com

HISTORY OF THE PAPER

Received on: 27-10-2023
Accepted on: 28-12-2023
Published on: 31-12-2023

DETAIL(S)

Volume No. 39, Issue No. 02, Page No: 163-173
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT
©The author(s) 2023. ©Journal of Research (Urdu) 2023.
This publication is an open access article.

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

*تنویر الاسلام، **ساجد اقبال، ***وقار احمد

جدید اُردو غزل میں ناصر کاظمی کی انفرادیت

Uniqueness of Nasir Kazmi in Modern Urdu Ghazal

ABSTRACT

Nasir Kazmi enlightened the modern Urdu ghazal in a new style. He moved away from the prevailing subjects and ideas of ghazal, and adopted modernity, political criticism, illustration, mythology, solitude and philosophical style. There is a specific style of describing memory and loneliness. He introduced personal experiences and observations into modern color and melody and created a unique style in modern Urdu ghazal. He did not follow Mir, but set his own path. Nasir was not exactly a poet, but he seems to light the lights of hope. With him, the metaphors of helplessness, despair and night etc, are actually his life, based on personal experiences.

KEYWORDS

Ghazal, Modern, Memory, Poet, Metaphors, Night, Uniqueness

ناصر کاظمی کا اصل نام ناصر رضا ہے۔ وہ 8/دسمبر 1925ء کو انبالہ کے محلہ قاضی واڑہ میں اپنے نانا کے گھر پیدا ہوئے۔(1) ان کے آباؤاجداد امام موسیٰ کاظم کی پشت سے ہونے کی بنا پر کاظمی سادات کے طور پر جانے جاتے تھے۔ ان کے والد کا نام محمد سلطان کاظمی تھا۔ ناصر کاظمی نے مسلم ہائی سکول انبالہ، نیشنل ہائی سکول پشاور، ڈی بی مڈل سکول، اسلامیہ کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "برگ نے" 1952ء کو شائع ہوا۔ ناصر اوراق نو، اور ہمایوں کے مدیر رہے اور تادم آخر ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ ان کو معدہ کے کینسر کا عارضہ لاحق تھا اور 2/مارچ 1972ء کو انتقال ہوا۔

اردو شعر و ادب میں قدامت و جدیدیت، روایت و جدیدیت کے مباحث قدما میں بکثرت ملتے ہیں۔ بلاشک و شبہ وہی تخلیق تادیر قائم رہتی ہے، جس میں روحِ عصر سموئی ہو۔ اسی لیے جہاں موضوعات میں تنوع ملتا

ہے وہیں پر روایت سے اتصال کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ یہ نشو و نما کا ارتقاء ایک فطری عمل ہے، جس مفر نہیں ہوا جا سکتا۔ بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ جدید اسلوب میں قدیم روایتی عناصر جو عصری شعور اور تہذیبی لاشعور سے تشکیل پاتے ہیں، بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ غالب جو کہ جدید اردو غزل کے حوالے سے ایک پہچان ہیں۔ ان کے ہاں مصحفی کے اثرات بھی ملتے ہیں۔ غالب نے غزل کی کوتاہ دامنی کی شکایت کرتے ہوئے مروجہ اسالیب اظہار سے انحراف بھی کیا چوں کہ غالب کی چھٹی حس قدرِ زیادہ ہی بیدار تھی اسی لیے انہوں روایت سے صحت مندانہ انحراف کیا جس کے اثرات دور رس ثابت ہوئے۔

اردو غزل کے احیاء کے لیے مختلف ادوار میں اردو زبان کے شعراء نے نئے آہنگ و نئے مضامین کو غزل کا موضوع بنایا۔ اردو غزل ابتداً گل و بلبل، ساغر و مینا، عشق و معشوق کے قصوں اور قاصد و رقیب کے احوال تک محدود ہوتی تھی۔ مختلف شعراء نے متنوع انداز و مضامین میں اس کو باندھا لیکن مولانا حالی نے غزل کے منفرد اسلوب کو اپنا کر میدانِ اردو غزل میں نیا پینترا متعارف کروایا۔

غالب کے شاگرد حالی نے بھی اردو غزل کو عشق و عاشقی کے مضامین سے مکتی دلانے کی سعی کرتے ہوئے اس کو اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور تعلیمی مضامین میں باندھتے ہوئے اعلیٰ بیداری پیدا کر کے قومی تفکراتی جمود کو توڑنے کی جستجو کی۔ اگرچہ حالی نے مثنوی، نظم اور مسدس میں شہرت پائی لیکن غزل کا نیا آہنگ متعارف کرواتے ہوئے تغزل کو کھو دیا۔ اسی طرح امیر مینائی، مرزا داغ دہلوی نے غزل کو نئے انداز میں جبکہ اقبال نے فلسفیانہ انداز میں ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑا اور ان کی ملی بیداری کو ابھارنے والی فکر، اردو ادب میں ایک دبستان کے طور پر متعارف کرائی۔ اس کے بعد حسرت موہانی نے اخلاقی و تہذیبی اقدار کا پابند عشق و عاشقی کا مضمون پیش کیا جو ہوس پرستی سے بالاتر تھا۔ بعد ازاں یگانہ چنگیزی، فراق گورکھ پوری، منیر نیازی، فیض احمد فیض وغیرہ نے بھی غزل کو منفرد انداز میں اپنایا۔

ناصر کاظمی کے دور میں ترقی پسند اور حلقہ ارباب ذوق کے نامور شعراء نے نظم کو اوج تک پہنچایا اور اس دور فیض، میراجی اور راشد کا طوطی بولتا تھا کیوں کہ ان شعراء نے جدید اردو نظم کو بام عروج تک پہنچایا۔ نظم گوئی کے اس سیلاب میں غزل اپنا سب کچھ کھو چکی تھی کیوں کہ نظم کے سیل تند و تیز نے عمارتِ نظم کو متزلزل کر دیا تھا۔ اس وقت اگرچہ سیف الدین سیف، حسرت موہانی اور جگر مرادآبادی روایتی انداز سے غزل لکھ رہے تھے لیکن جدید نظم

کے مقابلے میں مقبولیت حاصل نہ کر سکے اس نازک موڑ پر ناصر کاظمی نے اردو غزل کے احیاٗ کے لیے اپنی جسمانی ،روحانی اور تفکراتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جدید اردو غزل کو متعارف کروا کر بلاشبہ پاکستان کے جدید اردو غزل کے صفِ اوّل کے شعراء میں نمایاں مقام بنایا۔اس منفرد و جدید انداز کے حوالے سے ڈاکٹر حسن رضوی رقمطراز ہیں:

> ''اس نے اپنی غزل کی بُنت میں جذبے اور امیجری کو ملحوظ رکھا۔ بچھڑے ہوؤں کا دُکھ، کھوئے ہوئے منظروں کی بازگشت، لٹے ہوئے قافلوں کی آہیں، مانوس موسموں کی باس، گرم سانسوں کی خوشبو، تنہائی، یادیں اور پھر اچھے دنوں کی آس، نئے موسموں سے آشنائی، فطرت کے رنگوں سے عشق نے ناصر کی غزل کو نیا پیراہن عطا کیا۔''(2)

ناصر کی شاعری میں رَت جگوں اور یاد کی فضاؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ موجود ہے۔ بورخیس نے کہا تھا کہ خدا نے ہمیں رات کے ساتھ کتاب کا تحفہ بھی بخشا ہے۔ ناصر کاظمی کے دل میں کوئی کتاب جگہ بنا لیتی تو اسی کے سہارے رات بتا دیتے۔ شیخ صلاح الدین نے اس حوالے سے کئی واقعات کو بیان کیا ہے کہ ناصر کس طرح کوئی بھی کتاب رات کو لے کر صبح تک پڑھ کر واپس کر دیتے تھے۔ نشاط خواب، پہلی بارش، دیوان اور برگ نے میں ناصر کی راتوں کے بہت سے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کی راتوں میں کئی تجربات و مشاہدات بیان ہوئے۔ جن میں خاموش گلیاں، کہیں کسی گھر کی کھڑکی سے جھانکتی چراغ کی روشنی کا اشارہ، سائیں سائیں کرتا شہر، فراق کی راتوں کا منفرد تجربہ، کبھی اکیلا تو کبھی ستاروں کے جمگھٹے میں چاند، گھنے درختوں کے ساتھ جانے انجانے بے نام مناظر سے بھرپور، کالے بال کھولے نظر آنا۔اس طرح کے کئی سمعی و بصری خفقان اور مناظر سے بھرپور ہیں۔ان کی زندگی کا سارا نقشہ رات کے پس منظر میں مرتب ہوا ہے۔انہوں نے ایک بھرپور قوت متخیلہ کو استعمال کرتے ہوئے منفرد اور انوکھے پیکر تراشے ہیں۔

ناصر نے جدّت ادا کو اپنایا لیکن روایت کا دامن بھی اپنے ہاتھ میں تھامے رکھا لیکن لکیر کے فقیر بھی نہ بنے۔ ناصر نے روایت کے سب سے بڑے نام ''میر'' کو اپنایا ہے لیکن ناصر کی اداسی اور میر کی اداسی میں تہذیبی، عصری اور روحانی تجربات یکسر مختلف ہیں۔ناصر کاظمی اس کے متعلق خود فرماتے ہیں:

''میر کا چراغ شب تھوڑی دور تک رستہ دکھا سکتا ہے لیکن منزل تک نہیں پہچا سکتا ہے کیوں کہ جو فن کار روایت نہیں بنا سکتا ہے وہ تخلیقی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔'' (3)

ناصر میر سے متاثر ہیں اور اس کا مطلب ہر گز پیروی نہیں ہے۔ روایت کا مصرف حرارت حاصل کرنا ہے نہ کے ڈیرے ڈال لینا کیوں کہ اپنی حرارت کے علاوہ بیرونی الاؤ بے فائدہ ہیں:

''میں بھی میر صاحب کا رسیا ہوں لیکن میر پرست نہیں، میں نے اگر میر صاحب کو مانا ہے تو بڑے جھگڑے اور فساد کے بعد۔۔۔۔ میرا اپنا جیون ساتھی ہے لیکن ایسا جیون ساتھی جس سے ہر قدم پہ جھگڑا رہتا ہے'' ۔(4)

ناصر کاظمی کی غزل میں جہاں پیکر تراشی و درد و یاسیت اور تنہائی ملتی ہے وہیں پر ایک منفرد تجربہ، شخصی دیومالا کی صورت میں بھی ملتا ہے۔ ان کے ہاں منفرد انداز سے اپنی باطنی کیفیات کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کا یہ منفرد اندازِ اظہار اپنے ہمسفر شعراء سے بالکل مختلف ہے۔ اس حوالے سے شمیم حنفی لکھتے ہیں:

''ناصر نے اپنی ایک شخصی دیومالا وضع کرنے کی جستجو کی اور اسی جستجو نے ناصر کو اپنی داخلی دنیا، اپنے باطن کا راستہ دکھایا..... پھر ناصر تو یوں بھی اپنے حوصلہ مند ہم عصروں کے ایک قبیلے سے الگ، تاریخ کے مضافات میں جا بسنے وال شاعر تھا۔''(5)

ناصر نے بیرونی دنیا کے ہنگاموں اور داخلی دنیا سے حسیّت حاصل کی ہے۔ لیکن ان کے درمیان ایک امتیاز بھی روا رکھا ہے۔ اس وجہ سے ان کی شاعری کے قرآئین و آداب دیگر ہمعصر شعراء سے منفرد تھے۔ ان کے کلام میں مضبوط کردار کی آواز بھی ہے جو اپنے تشخص کو دوام و قیام کے ساتھ اجتماعیت کے شور و غل میں فراموش نہیں ہونے دیتا۔ ناصر کاظمی فلسفی نہیں لیکن اشعار میں یہ رنگ بھی موجود ہے۔ ان کے کئی اشعار میں متنوع انداز کی گہرائی و معنویت چھپی ہوئی ہے جو کہ اس بات کی غماز ہے کہ وہ زندگی کے حوالے سے وسعت نظر رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی سے جڑے ہوئے لاتعداد مسائل اور زیست کی بے ثباتی اور اس کے متعلقات کو ان کے کلام میں تلاشا جا سکتا ہے۔ ان کے اشعار کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں نیم فلسفیانہ اشعار بھی ہیں، جن میں تصوف، دنیا کی بے ثباتی، زندگی گزارنے کے اصول اور وعظ و نصیحت اچھوتے انداز میں بیان موجود ہے۔ اس حوالے سے ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

رواں دواں ہیں سفینے تلاش میں جس کی
وہ اک شکستہ کنارہ ہے اور کچھ بھی نہیں (6)

ناصر کاظمی نے جہاں متنوع موضوعات کو اپنے کلام میں جگہ دے کر اپنی انفرادیت قائم کی وہیں ان کے یہاں نمایاں طور پر سیاسی احتجاج کی بازگشت بھی ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے دور میں تنہائی، بے بسی، لایعنیت، اجنبیت، یادِ ماضی جس میں ہجرت کا دلپذیر اور سخت ترین تجربہ کیا ہے اور جس دکھ کا مداوا اگر گوہر نایاب (آزادی) کی حقیقی صورت میں میسر آجاتا تو اطمینان قلب کی صورت یقینی تھی لیکن چند سالوں کے بعد ہی آمریت کے پُرآشوب پنجۂ استداد نے اس نوآزاد ریاست کو اپنی شدید ترین گرفت میں لے لیا۔ جس کے زیر اثر ایک بے چینی و بے یقینی کی فضا بھی ان کی تخلیقات پر چھائی رہی لیکن امید کا دیا بھی جلتا رہا۔ تقسیمِ ہند کے تہذیبی المیے سے وابستہ سیاسی خلفشار کے باعث ان کے ہاں ایک بے کلی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر انہی دنوں ہجرت کا درد والدین کی رحلت سے دوگنا ہوا پھر یک نہ شد کے مصداق معاشی کسمپرسی نے بھی اپنا حصہ بھرپور ڈالا۔

ناصر کاظمی سچے جذبوں اور ملی درد کے حامل شاعر تھے۔ انہوں نے بیباکی سے حقائق کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ روشن مستقبل کی بھی بشارت دی ہے۔ ان کو یقین تھا کہ حالات بدلیں گے۔ اس لیے وہ سب کو آواز لگا کر بیدار کرنے کی کوشش بھی تواتر سے کرتے نظر آتے ہیں۔

شہر اجڑے تو کیا ہے کشادہ زمین خُدا
اک نیا گھر بنائیں گے ہم صبر کر، صبر کر (7)

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو
اے ہم سفرو، آواز درا کچھ کہتی ہے (8)

ناصر کاظمی کے ہمعصر شعراء میں خاص طور پر منیر نیازی نے مافوق الفطرت عناصر کا علامتی اظہار اپنے انداز میں کیا ہے تو ناصر نے یہی کام ''کوئی'' کے ذریعے لیا ہے۔ یہ کوئی آخر کیا ہے؟ اس کا مصدر منبع کیا ہے؟ گر بنظر غائر دیکھیں تو انسانی زندگی و ملکی حالات کے تمام تر مسائل و پریشانیوں کا ذمہ دار یہ ''کوئی'' ہی ہے۔

ناصر کاظمی کے ہاں فطرت پرستی کے لوازم بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان کی وجہ شہرت رات کے شاعر کے طور پر ہے لیکن وہ رات سے ہمیشہ خوف زدہ ہی رہے کیوں کہ وہ سماجی گروہ میں زندگی گزارنے والے آدمی تھے۔ ان کا ایک

مخصوص حلقہ احباب تھا، وہ انہیں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ان کی حسیات میں ان احباب کی خوشیاں، غم اور تلخیاں محو کلام ہیں۔

ان کا کلام اپنے زمانے کا عکاس ہے۔ان کی شاعری کا اگر زمانی اعتبار سے مطالعہ کیا جائے تو ان کے فن میں ایک تدریجی ارتقاء ملتا ہے۔ جس جس زمانے میں جو جو حالات درپیش رہے ان حالات کا نقشہ سمٹ کر ان کی شاعری میں آگیا ہے۔ان کے ہاں بچپن کی خوب صورت یادیں، تقسیم سے قبل و بعد کی اضطراری و غیر اضطراری کیفیات، ہجرت و ہجر کے منفرد احوال بھی موجود ہیں۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ان کی شعوری کاوش سے ہی عصریت ان کے کلام میں موجود ہے۔

عروج پر ہے میرا درد اِن دنوں ناصر
میری غزل میں دھڑکتی ہے وقت کی آواز (9)
لفظوں میں بولتا ہے رگِ عصر کا لہو
لکھتا ہے دستِ غیب کوئی اس کتاب میں (10)

ناصر کی شاعری میں نہ صرف غم عشق ہے بلکہ اس میں اپنی ذات سے بالاتر ہو کر ایک معاشرتی و سماجی نوحہ بھی ہے، جو تقسیم کے بعد اور پہلے کے حالات کی بدولت ہے۔اس کے ساتھ انہوں نے اپنی تہذیبی شناخت کے کھونے پر متعدد مرتبہ تاسف کا اظہار کیا ہے۔ان کے ہاں قدروں کی پامالی پر ایک آہ و بکا کا سا انداز ملتا ہے۔

اپنے کلام کو فنی محاسن سے مزّین کر کے ایک نایاب ادبی اضافہ کیا ہے۔ان کے ہاں سادگی، تشبیہات و استعارات کا استعمال، شوخی و رندی، صنعت تکرار، تضحیک زاہد، الفاظ جمع کا حسین استعمال، مصرعوں کا تقابل، سہل ممتنع اور واقعات و جذبات نگاری پائی جاتی ہے۔ناصر کے ہاں سہل ممتنع بہت خوبصورتی سے برتا گیا ہے۔اس کی عمدہ مثال ''پہلی بارفن'' میں موجود چوبیس غزلیں ہیں۔اس کے علاوہ کا ظمی کی انفرادیت میں ایک اور اضافہ ان کا جدید اور پر کشش تراکیب کا استعمال کرنا ہے۔انہوں نے اپنا دہلوی رنگ ظاہر کرتے ہوئے مشہور تراکیب تراشیں جن میں طنابِ چشمۂ گل، امید پرسش غم، افسوں انتظار، سایۂ زلفِ بتاں، یادوں کی سیڑھی اور افق کے غار وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں۔انہوں نے اپنے کلام میں خالص ہندی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ان الفاظ میں دُرگا، درشن، گگن، رُت اور پَون وغیرہ شامل ہیں:

پھر ساون رُت کی پَون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے (11)

ناصر کاظمی نے بلامبالغہ غزل کے پوشیدہ امکانات کا خاطر خواہ استفادہ کرتے ہوئے تکمیلیت کے ثمر آور زمانے سے گزر کر اسے روایتی اثرات سے پاک کر کے ایک جدید تر اور منفرد صورت میں جلوہ گر کر دیا ہے۔ان کی شاعری سے تہذیبی، سماجی اور سیاسی زندگی کی دہشت خیزیوں کا شعور ملتا ہے، جو ان کے انفرادی تجربہ کی بدولت منفرد تخلیقی فن پارے کی صورت میں متشکل ہوتی ہے۔

ناصر کے کلام میں حمیرا اور سلمیٰ کے ناکام عشق سے پیدا شدہ سوز و گداز کو بھی درک کرنے کے ساتھ ساتھ غمِ ہجرت کا درد اور ذاتی تجربہ اور زر پرست طبقات کا نوحہ ان کے کلام میں اداسی و تنہائی کے عناصر ترتیب دیتے ہیں۔ناصر نے اپنی اداسی کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔اور اداسی کو خود آگاہی سے تطبیق کرتا ہے۔ناصر کاظمی متنوع موضوعات کا شاعر ہے۔اس کے کلام میں حسن کے سینکڑوں پہلوں کی رنگا رنگی ہے۔اور وہ اس حسن و رنگ کو عام کرنے کی امنگ بھی رکھتے ہیں۔ناصر کی آئیڈیالوجی کے متعلق احمد ندیم قاسمی صاحب فرماتے ہیں:۔

> ”ناصر جب کہتا ہے کہ اس کی اداسی منفی نہیں بلکہ اس کی اداسی سے خود آگاہی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔تو ناصر کا معیار خود آگاہی مجرد نوعیت کا نہیں رہتا ہمہ گیر اور ہمہ اثر حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔یہی ناصر کی آئیڈیالوجی ہے۔“(12)

وصل کے نشاط کا رس اور ہجر کی بے کلی کا سوز ایک عجیب سی ویرانی اور جان لیوا بانجھ پن کے ساتھ ان کی شاعری میں موجود ہے۔

کبھی کبھی جو تیرے قرب میں گزارے تھے
اب ان دنوں کا تصور بھی میرے پاس ہے
مجھے یہ ڈر ہے ، تیری آرزو نہ مٹ جائے
بہت دنوں سے طبیعت میری اداس ہے (13)

ناصر نے اسلوبیاتی تجربات بھی بڑی عمدگی سے کیے ہیں اور استعاروں کا استعمال اپنی مخصوص آئیڈیالوجی کے تابع رہ کر کیا اور ان استعاروں کا استعمال کر کے مخصوص تناظر کو نئے معنی پہنائے۔

ناصر کے ہاں رات کا استعارہ جا بجا ملتا ہے جو کاظمی کے ہاں اچھوتا معنی دیتا ہے۔ رات کو تخلیق کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے کیوں کہ رات کے دوران فطرت تخلیق کے مناظر کو جنم دیتی ہے۔ جیسے پھولوں میں خوشبو کا پیدا ہونا سمندروں میں موج اور پھلوں میں رس رات کو ہی پیدا ہوتا ہے۔

ہوا بھی چل رہی ہے اور جاگتی ہے رات بھی
کوئی اگر کہے تو سنائیں دل کی بات بھی (14)

ناصر نے غزل میں مغربی وسائل کو بھی استعمال کیا ہے جو کہ ایک فنکارانہ مساعی ہے۔ کیوں کہ وہ آزاد خیال اور جکڑ بندیوں میں رہنے والے نہیں ہیں۔ اسی لیے اپنے شعروں میں ہم عصروں پر طنز کے نشتر بھی چلاتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نظم میں استعمال ہونے والے ان مغربی وسائل کو غزل میں استعمال کیا جو کہ بلا شبہ ایک انوکھا تجربہ ہے اور ایسے تجربات ان کی طبیعت اور زیست کے تجربہ سے مستعار لیے گئے ہیں کیوں کہ انہوں نے شاعری ننھیال سے ورثے میں پائی تھی لیکن صحافت، موسیقی اور کبوتر بازی سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان شاعری میں کسی ایک مخصوص رنگ وآہنگ کا نہ ملنا ان کی طبع کے متنوع اور جمود سے عاری ہونے کی بین دلیل بھی ہے۔ مغربی شعری وسائل سے مستعار شدہ ان کے تجربات میں تمثیل کاری بھی پائی جاتی ہے جو کہ نئی پکچر گیلری کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہیں انہوں نے نہ صرف تمثیل کاری کو فروغ دیا بلکہ حسیاتی تنوع کو بھی اجاگر کیا اور فطرت کے نشانات کے درپردہ تہذیبی عناصر کو علامتی انداز میں پیش کیا ان کی مثالیں ساکن و متحرک ہیں:

خموشی انگلیاں چٹخا رہی ہیں
تیری یاد اب تک آرہی ہے
یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری یاد آرہی ہے ، ابھی (15)

ناصر کاظمی کا پہلا مجموعہ ''برگ نے'' بلاشبہ ایک منفرد تمثالی تصنیف ہے اس میں حسی، سمعی تحرک پیدا کرنے والے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مغربی شعری وسائل سے استفادہ کرنے کے ساتھ ناصر کے ہاں تہذیبی آشوب سے شروع ہونے والا سفر، تمدنی المیہ پر ختم ہوتا دکھائی دیتا ہے تاریخ انسانی کی بڑی ہجرت برصغیر کے دولخت

ہونے پر وقوع پزیر ہوئی یہ ناصر کا ذاتی تجربہ بھی تھا۔ بنگلہ دیش کے پاکستان سے علیحدہ ہونے کا تمدنی المیہ بھی چھلاوہ کی طرح ناصر کی شاعری میں اس کا ہم رکاب بنا رہا۔

وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے
وہ ساحلے پہ گانے والے کیا ہوئے
اکیلے گھر سے پوچھتی ہے بے کسی
تیرا دیا جلانے والے کیا ہوئے (16)

ناصر نے مغربی شعری وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے تجسیم کاری کا منفرد تجزیہ بھی کیا۔ انہوں نے تراشے ہوئے پیکروں کو لائق اعتنا گردانا ہے اور اداسی کے اظہار کو منفرد اسلوب میں بیان کیا۔ کبھی رات کو مجسم صورت میں پیش کیا تو کبھی اداسی کا پیکر تراشا اور کبھی پتھروں کو سخت جان لوگوں کے استعارے کے طور پر پیش کیا۔

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے (17)
پتھر کا وہ شہر بھی کیا تھا
شہر کے نیچے شہر بسایا تھا
پیڑ بھی پتھر، پھول بھی پتھر
پتّا پتّا پتھر کا تھا
چاند بھی پتھر، پھول بھی پتھر
پانی بھی پتھر لگتا تھا (18)

ناصر کاظمی نے کرداروں کو بھی منفرد انداز میں بیان کیا ہے جہاں دیگر شعرائے اردو نے فارسی اور کلاسیک سے ''نامہ بر''، رقیب، عاشق، معشوق، صوفی جیسے کردار تخلیق کیے ہیں وہیں پر ناصر کے ہاں ''مانوس اجنبی'' کا کردار بھی نمایاں ہے:

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیراں کر گیا وہ (19)

ناصر کے ہاں تسلسل موضوع پایا جاتا ہے، جس کی مثال ''پہلی بارش'' کی چوبیس غزلیں ہیں جو در حقیقت ایک شاعرانہ سفر ہے۔اور غزل میں ایک انوکھا اور منفرد تجربہ ہے۔انہوں نے روز مرہ کی زبان اور کہیں کہیں ہندی بحور کا استعمال بھی انتہائی خوب صورتی سے کیا ہے لیکن نیز اساطیری حوالوں سے بھی غزل کو مزین کیا اور غزل میں اساطیری پہلو کا ہونا روایت سے جڑے ہونے کی زندہ علامت ہے۔

دیکھ کے دو چلتے سایوں کو
میں تو اچانک سہم گیا تھا
ایک کے دونوں پاؤں تھے غائب
ایک کا پورا ہاتھ کٹا تھا
ایک کے الٹے پیر تھے لیکن
وہ تیزی سے بھاگ رہا تھا
زرد گھروں کی دیواروں کو
کالے سانپوں نے گھیر رکھا تھا (20)

ناصر کاظمی کے ہاں فطرت سے لگاؤ ان کی شعری تخلیق ''برگ نے'' اور دیوان کی غزلوں میں جا بجا جھلکتا نظر آتا ہے۔ان کے ہاں قدرت کے دلفریب مناظر، ہرے بھرے رنگوں اور قدرتی ماحول میں پرندوں کا ذکر دل موہ لینے والے انداز میں ملتا ہے۔خوبصورت درختوں کے ذکر سے دراصل ناصر ان کے لگانے والوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے کیوں کہ ایسے لوگ خوبصورت ہوتے ہیں جو فطرت کو زندہ رکھنے کی سعی کرتے ہیں:

پھر کونجیں بولیں گھاس کے ہرے سمندر میں
رت آئی ہے پھولوں کی تم یاد آئے (21)
دن پھر آئے ہیں باغ میں گل کے
بوئے گل ہے سراغ میں گل کے (22)

حوالہ جات

1۔ سمیعہ تمکین، ناصر کاظمی کی شاعری میں پیکر تراشی، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2013ء، ص26
2۔ حسن رضوی، وہ تیرا شاعر وہ تیرا ناصر، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1996ء)، ص210
3۔ طارق ہاشمی، اردو غزل نئی تشکیل، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2008ء)، ص 79
4۔ فاروق احمد مشہدی، اجنبی مسافر اداس شاعر، (ملتان: بیکن بکس، س ن)، ص79
5۔ شمیم حنفی، ناصر کاظمی اور ان کا یاد نگر، مشمولہ: فکر و تحقیق، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2008ء)، ص98
6۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، (لاہور: فضلِ حق اینڈ سنز پبلشرز لاہور، 1992ء)، ص62
7۔ ناصر کاظمی، دیوان، (لکھنؤ: مکتبہ دین وادب، 1997)ء، ص20
8۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص28
9۔ ناصر کاظمی، برگ نے، (نئی دہلی: شانِ ہند پبلی کیشنز، 1995ء)، ص84
10۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص52 11۔ ایضاً، ص15
12۔ باصر سلطان کاظمی، ناصر کاظمی: شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 2007ء)، ص42
13۔ ناصر کاظمی، دیوان، (لاہور: القا پبلی کیشنز، 2014ء)، ص158
14۔ باصر سلطان کاظمی، ناصر کاظمی شخصیت اور فن، ص14
15۔ ناصر کاظمی، دیوان، (لاہور: القا پبلی کیشنز، 2014ء)، ص40
16۔ ایضاً ص14
17۔ ناصر کاظمی، پہلی بارش، (لاہور: القا پبلی کیشنز، 2014ء)، ص149
18۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص41 19۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، ص144
20۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص81 21۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص15
22۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص51